خواتین اور دوشیزاؤں کیلیے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
جولائی 2019

بانی و مدیرِ اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیرِ خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی

نفسیات ——— عدنان

اشتہارات ——— خالد جیلانی

قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈوکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

میری بیاض سے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... -/700 روپے
ایشیاء، افریقہ، یورپ .... -/6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا .. -/7000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

جولائی 2019
جلد 47 شمارہ 3
قیمت 70 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com
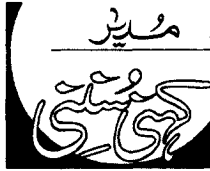
خواتین ڈائجسٹ کا جولائی کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

انسان کو تمام مخلوقات سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور اور عقل عطا کی ہے کہ وہ اچھے بُرے میں تمیز کر سکے۔

انسانی ذہن اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم تحفہ ہے۔ آغاز سے اب تک زندگی کے ہر شعبے میں انسان نے جو بے پناہ ترقی کی ہے، وہ انسانی ذہن کا ہی کرشمہ ہے۔ دُنیا میں جو تنوع، دلکشی اور خوبصورتی نظر آتی ہے، وہ اختلاف اور ایک دوسرے سے مختلف سوچنے میں ہے۔

اختلاف رائے ایک فطری عمل ہے۔ ایک ہی واقعہ پر دو انسان مختلف رائے رکھ سکتے ہیں۔ اپنی رائے رکھنے اور اس کا اظہار کرنے کی آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس اختلاف کو ذاتی دشمنی بنا لینا۔ بدزبانی اور گالم گلوچ کرنا مہذب معاشروں کا عمل نہیں ہے۔ محبت، نفرت، غصہ، انتقام اور خوشی، غم کی ساری کیفیتیں ہمارے احساسات سے جڑی ہیں۔ یہ کیفیتیں اگر متوازن ہوں تو ضرر رساں نہیں ہوتیں لیکن یہ جذبے اگر شدت اختیار کر جائیں تو وحشت اور جنون کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جو ہمارے ہی نہیں معاشرے کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

زندگی میں بہترین راستہ درمیانی راستہ ہے۔ معتدل رویے ہی زندگی میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ کسی بھی جذبے کو اس حد تک نہ بڑھنے دیں کہ وہ وحشت و جنون کی شکل اختیار کر جائے۔

عید نمبر،

خواتین ڈائجسٹ کا اگست کا شمارہ عید نمبر ہوگا اور حسب روایت عید نمبر میں ہماری قارئین بھی شامل ہوں گی۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ مہنگائی نے اچھے اچھے لوگوں کو چکرا دیا ہے۔ جس طرح دنوں اور گھنٹوں کے حساب سے قیمتیں بڑھ رہی ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ اس سال قربانی کے جانور بھی بہت مہنگے ہوں گے۔ کیا آپ اس سال قربانی کا ارادہ رکھتی ہیں؟

2۔ کیا آپ کبھی قربانی کا جانور خریدنے منڈی گئی ہیں؟ یہ تجربہ کیسا رہا؟ کوئی دلچسپ واقعہ؟

3۔ عیدالاضحیٰ کے دن کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟ اور نماز عید ادا کرنے کے بعد آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں؟

4۔ قربانی کے گوشت کی تقسیم کیسے کرتی ہیں؟ کیا رانیں اور دست علیحدہ کٹوا لیتے ہیں خاص رشتے داروں کے لیے؟

5۔ کیا عیدالاضحیٰ پر رشتہ داروں، دوست احباب کی دعوت کرتی ہیں؟ گوشت کی کوئی خاص ڈش جو آپ کے گھر ضرور بنتی ہو؟

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ 22 جولائی تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں،

- الف ۔ عمیرہ احمد کے ناول کی آخری قسط، ، حالم ۔ نمرہ احمد کا ناول،
- فرزانہ کھرل کا مکمل ناول ۔ چھاپ تلک سب، ، شمائلہ ذوالعباد کا مکمل ناول ۔ درد جو دوا ہوا،
- عندلیب زہرا، عنبرین ابدال، کاشفہ حسین، حنا یاسمین اور حبیبہ عمر کے افسانے،
- نعیمہ ناز کا ناولٹ ۔ یزداں ۔ ، معروف اداکارہ زینب جمیس سے باتیں،
- آپ کی پسندیدہ مصنفہ آمنہ ریاض سے ملاقات، ، کرن کرن روشنی ۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔
قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔
پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔
کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔
ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

سب سے بڑی نیکی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ سے دوستانہ تعلقات رکھنے والوں سے تعلق جوڑ کر رکھے (یعنی باپ کی محبت اور دوستی کو نبھائے)۔" (مسلم)

حضرت عبداللہ بن دینار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی انہیں مکہ کے ایک راستے میں ملا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا اور اسے اس گدھے پر سوار کرلیا جس پر وہ خود سوار تھے اور اسے وہ عمامہ بھی دے دیا جو ان کے سر پر تھا۔
(حدیث کے راوی) ابن دینار رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ "اللہ آپ کا بھلا کرے یہ تو دیہاتی لوگ ہیں، تھوڑی سی چیز سے بھی راضی ہوجاتے ہیں (ان کے ساتھ اتنا کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟)"
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
(بات یہ ہے کہ) اس شخص کا باپ (میرے باپ) عمر بن خطاب کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:
"سب سے بڑی نیکی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں سے نیکی کرنا ہے۔"
ایک اور روایت میں ہے جو ابن دینار ہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر جب مکہ جاتے تو ان کے پاس ایک گدھا ہوتا، جب وہ اونٹ کی سواری سے اکتا جاتے تو اس پر سوار ہو کر راحت حاصل کرتے۔ اور ایک عمامہ ہوتا جسے وہ سر پر باندھ لیتے۔
اس دوران کہ ایک دن وہ اس گدھے پر سوار تھے، آپ کے پاس سے ایک دیہاتی گزرا۔ آپ نے اس سے پوچھا:
"کیا تو فلاں بن فلاں کا بیٹا نہیں ہے؟"
اس نے جواب دیا: "ہاں، کیوں نہیں۔"

باندھ سہرا کر شادی

انشا جی

ایران میں آذر بائیجان کے گورنر نے منادی کرادی ہے کہ "ملک بادشاہ کا، خلقت خدا کی اور حکم میرا۔ آج کے بعد سے ان پڑھ کو دلہن نہیں ملے گی۔ اگر کوئی شخص ناخواندہ ہے تو بیوی کی طرف سے بھی درماندہ رہے گا۔"

ہمیں معلوم نہیں یہ حکم کس نیت سے جاری کیا گیا ہے۔ نیت نیک ہی ہوگی لیکن ہمیں تو پڑھ کر کرشن چندر کی کہانی "بدصورت راجکماری" یاد آئی۔ کہانی کی ہیروئن لاڈوں پلی راجکماری ویسے تو گنوں کی گتھلی تھی، پانچ انگلیاں پانچوں چراغ۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ شکل وصورت میں بس آدمی کا بچہ تھی۔ بڑا بڑا راجکمار ہمہ تن اشتیاق آتا اور راجکماری کے رخ زیبا کی ایک جھلک دیکھ کر پہلی گاڑی یا پہلی رتھ یا پہلے گھوڑے سے واپس چلا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ضرورت رشتہ کا اشتہار دینے کا رواج نہ تھا، کیونکہ اخبار ہی نہ تھے۔ لہٰذا یا تو عقل کے اندھے گانٹھ کے پورے راجکمار طوطے مینا سے یا کسی آتے جاتے سے کسی راجکماری کے حسن کا شہرہ سن کر غائبانہ عاشق ہوجایا کرتے تھے یا راجے مہاراجے سوئمبر رچایا کرتے تھے اور یاران نکتہ داں کو صلائے عام دیا کرتے تھے۔ شاید سیتا کا سوئمبر تھا جس میں یہ شرط تھی کہ جو شخص نیچے پانی میں عکس دیکھ کر اوپر گھومتی ہوئی مچھلی کی آنکھ میں تیر مارے گا، اسے سیتا کا ڈولا اٹھانا ہوگا۔ رام جی نے آگے چل کر اپنی زندگی میں اور کوئی تیر مارا یا نہ مارا، اس امتحان میں ضرور پاس ہوگئے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے میں راجکماروں کو مداری کے کرتب بھی سیکھنے پڑتے تھے۔ سیدھی سیدھی شمشیر زنی اور گھوڑے کی سواری کافی نہ تھی۔

خیر ہم کہانی کہتے کہتے پٹڑی سے اتر گئے۔ ہاں تو ان راجکماری صاحبہ کے ابا حضور یعنی راجہ صاحب نے بھی بیٹی کا سوئمبر رچایا۔ امیدوار کو ایک سوال کا جواب دینا ہوتا تھا اور گھوڑے کی سواری کر کے دکھانا ہوتا تھا۔ بہت سے لوگ جنہوں نے شہزادی کی جھلک دیکھ لی تھی، انٹرویو میں آئے ہی نہیں۔ ایک بے چارہ تاب گریختن نہ رکھتا تھا۔ پکڑا آیا۔ راجہ جی کے

مقبول مصنفہ

آمنہ ریاض سے ملاقات

شاہین رشید

آمنہ ریاض کا شمار اچھی مصنفین میں ہوتا ہے۔
مصنفین ایک نقطے سے کہانی کیسے بنالیتی ہیں؟ کہانی کے تانے بانے کیسے بُنتی ہیں۔ رشتوں کے الجھے ہوئے دھاگے کس طرح سلجھالیتی ہیں۔ بلاشبہ یہ خداداد صلاحیت ہے جو قدرت کی طرف سے ودیعت کی جاتی ہے۔
آمنہ ریاض کا نام پڑھنے والوں کے لیے نیا نہیں ہے۔ ان کے متعدد ناول، ناولٹ، افسانے ادارہ خواتین کے پرچوں خواتین ڈائجسٹ، شعاع اور کرن میں شائع ہو چکے ہیں وہ کئی ڈرامے بھی لکھ چکی ہیں۔ جو ناظرین میں بے حد مقبول ہوئے ہیں۔
آج ہم آپ کی ملاقات آمنہ ریاض سے کرا رہے ہیں۔

''کیسی ہیں آمنہ؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''انٹرویو کے آغاز میں آپ پہلے تو اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے۔''

''میرا نام آمنہ ہے، ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے میرا نمبر چوتھا ہے...... میری امی کا تعلق بہاول پور سے ہے جبکہ والد پنجاب کے شہر اوکاڑہ کے رہنے والے ہیں۔ والد صاحب سیلف میڈ انسان ہیں۔ روزگار کے سلسلے میں دیار غیر جا بسے تھے چنانچہ میری پیدائش بھی سعودی عرب کے شہر ''جدہ'' میں ہوئی۔ جبکہ بچپن اوکاڑہ میں گزرا...... میں نے اردو ادب میں ماسٹرز کی ڈگری لی، بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ نہیں تھی مگر محنتی بہت تھی۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں میرا دماغ زیادہ چلتا تھا...... اسکول کالج میں ہر اس سرگرمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی، جس کا پڑھائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا...... ایکٹنگ اور گانا گانے میں ''آمنہ'' پیش پیش ہوتی تھی اور اردو لٹریچر سوسائٹی کی سرگرم رکن بھی تھی...... شادی کو ساڑھے سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے بچے دو ہی ہیں۔ پہلی بیٹی ہے ''اسریٰ اور دو مہینے قبل اللہ نے ایک بیٹا دے کر میری فیملی کو مکمل کر دیا ہے۔ بیٹے کا نام ''محمد موسیٰ'' ہے۔''

''بچپن کیسا گزرا...... اور آپ کیسی بچی تھیں؟''

''بچپن بڑے مزے کا تھا، کھیلتے کودتے، عیش کرتے ہوئے گزر گیا...... لیکن اچھے وقت کی ایک سب سے بری بات یہ ہے کہ بڑی جلدی گزر جاتا ہے...... سو ہمارا بھی گزر گیا...... پاپا ملک سے باہر ہوتے تھے۔ امی نے ہمیں بڑا پرسکون ماحول فراہم کیا ہوا تھا، کوئی سختی نہیں تھی۔ اپنی مرضی سے کھیلنا، سونا، جاگنا۔ پاپا سال میں ایک بار پاکستان کا چکر لگاتے تھے۔ اور پاپا جتنے دن رہتے تھے، سمجھو ہمارے لیے ''کرفیو'' نافذ ہو جاتا تھا، کیونکہ پاپا غصے کے تیز تھے، ہمیں ان کے غصے سے خوف آتا تھا...... کوئی مانے یا نہ مانے میں تو باقاعدہ دعائیں کرتی تھی کہ یہ جو مہمان ہمارے گھر آگیا ہے جلدی واپس چلا جائے......
لیکن یہ بہت ناسمجھی کا دور تھا...... جوں جوں ہم بڑے ہوتے گئے۔ عقل آتی گئی اور دعاؤں کی نوعیت بھی بدل گئی...... میں بہت ایوریج ٹائپ بچی تھی بھی شرارتی تو کبھی بڑی تابعدار اور پیاری سی بچی تھی، کچن سے لگاؤ بس چائے بنانے کی حد تک تھا...... جب تک بڑی بہنوں کی شادی نہیں ہوگئی مجھے نہیں یاد پڑتا میں نے کوئی چیز بھی پکائی ہو...... پڑھائی کا بھی یہی حال

Khawateen Digest July 2019

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

ناہید اسماعیل......کراچی

میرے عام سے تبصرے کے جواب میں آپ کے تعریفی الفاظ اور حوصلہ افزائی نہ صرف میرا قیمتی ترین سرمایہ ہے بلکہ میری زندگی کی بہت بڑی خوشی بھی ہیں۔ یہ آپ کے الفاظ ہی تو ہیں جو ہم سمیت نہ جانے کتنوں کی زندگی کے مشکل مراحل میں حوصلہ بڑھاتے، زندگی جینے کا ہنر سکھاتے ہیں۔ اس بار سب سے پہلے پہنچے "گرجا گھر کے دربان" تک جس نے ایک پل کو بھی مسکراہٹ لبوں سے جدا نہ ہونے دی۔ عمیرہ احمد نے تو شاکڈ کر دیا یعنی کہ صرف بارہ اقساط میں ناول کا اختتام ہونے جا رہا ہے۔ نہیں بھئی نہیں، ہم نہیں مانتے ابھی تو کہانی زبردست موڑ پر پہنچی ہے، ابھی تو قلب مومن کو کچھ خاص سبق بھی نہیں ملا، اس طرح اچانک کیوں ختم کر رہی ہیں۔ "حالم" حسب دستور دلچسپ اور تجسس سے بھرپور، ایڈم کی شخصیت کا بدلاؤ

بہت اچھا لگ رہا ہے۔ "الٹی دا کی کی دھار" کا اختتام زبردست طریقے سے ہوا۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ جبران کے بارے میں ہمارا اندازہ ٹھیک نکلا۔ عنیزہ سید سے درخواست ہے کہ پلیز اب آتی رہیے گا۔ "پیار سے گندھی مورت" اچھی تو لگی لیکن نہار اور ہدیٰ والا حصہ اچھا نہیں لگا بس پتا نہیں کیوں، وجہ ہمیں خود سمجھ میں نہیں آ رہی شاید ردا اور دعا کے حالات واضح کرتے کرتے نہار اور ہدیٰ کی کہانی کچھ نظر انداز ہو گئی اسی لیے کچھ ادھورا پن سا لگا ان دونوں کی کہانی میں۔

جبین چیمہ کی تحریر میں ریشم کے ساتھ اچھا نہیں ہوا، ریشم کا بس اتنا سا ہی قصور تھا کہ وہ سراج کو بھی اپنے جیسا سادہ دل اور بے غرض سمجھ بیٹھی تھی۔ ایک ایسی زندگی اس کے حصے میں آئی جس میں اعتبار بھروسے سے محروم محض رشتہ نبھایا جائے گا۔

افسانوں کی طرف بڑھے تو عطیہ خالد "خالہ کی بہو" میں غیر محسوس انداز میں دوسروں کا خیال رکھنا سکھاتی نظر آئیں۔ شیریں ملک کی تحریر "حاسد" بہت پسند آئی۔ طیبہ خاتون نے ماریہ کی فطرت کو سمجھ کر مشکل ترین فیصلہ کیا جس کے لیے ایک ماں کو بڑے حوصلے اور بڑے دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ "میری ذکیہ" میں ذکیہ آپا کا کردار بہت اچھا لگا، حساس اور دردمند۔ "حسرتیں تمام تر" اور "کتنے پاس پھر بھی دور" دونوں ہی سسرالی رشتوں کی روایتی تحریریں تھیں، ہاں اختتام دونوں کا ہی اطمینان بخش رہا اور جناب اس تحریر کی بات کریں گے جس کا نام فہرست میں تو نہیں تھا لیکن جسے پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک ہم سے کوئی دوسری تحریر پڑھی نہ جا سکی۔ جی ہاں وہ ہے امایہ خان کی "آخری پیشی" جس کا عنوان تو چونکا دینے والا تھا ہی، کہانی نے بھی دل دہلا ڈالا۔ واقعی جب کردار کی بات آ جائے تو پھر ہر چیز پس پشت چلی جاتی ہے حتیٰ کہ رشتے بھی۔ امایہ خان کم لکھتی ہیں پر جب لکھتی ہیں، چھا جاتی ہیں۔

مصطفیٰ قریشی کا انٹرویو پسند آیا۔ مستقل سلسلے سب ہی اچھے تھے خاص طور پر رنگا رنگ پھول زبردست لگا۔ ہمارے نام میں ناصرہ خاتون صاحبہ کے خط نے دل گداز کر دیا۔ یہ سب اللہ کے کرم سے آپ لوگوں کی محنت اور کاوشوں کا ہی صلہ ہے۔ "نفسیاتی الجھنیں" میں دل

عمیرہ احمد

حسن جہاں سے زندگی میں ایک غلطی سرزد ہوئی۔ لیکن وہ بھی معاف نہیں کی گئی، وہ بار بار خط لکھ کر اپنی غلطی کی معافی مانگتی ہے۔

ایک بچہ تواتر سے اللہ تعالیٰ کو خط لکھتا ہے اور اسے ایک درخت کے تنے میں رکھ دیتا ہے۔ وہ جواب کا منتظر ہے ایک دن ماں بتاتی ہے کہ اس کے خط کا جواب آ گیا ہے۔

ایک بوڑھا خطاط آیت کی خطاطی کر رہا ہے۔ یک دم اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اسے اپنے گرد روشنیوں کا ہالہ رقصاں نظر آتا ہے۔

قلبِ مومن انڈسٹری کا کامیاب ترین ڈائریکٹر ہے۔ اسے خود پر، اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے۔

مومنہ سلطان ایک باصلاحیت فنکارہ ہے لیکن اسے اب تک اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے کوئی موقع نہیں ملا ہے۔ انڈسٹری میں ہیروئنیں اس کے ٹیلنٹ سے خائف ہیں، وہ اسے آگے نہیں آنے دیتیں۔

مومنہ کا باپ سلطان میک اپ آرٹسٹ ہے۔ وہ اداکارہ حسن جہاں کا میک اپ مین رہ چکا ہے اور اس کا بہت بڑا مداح ہے۔ اب بیماری کی وجہ سے انڈسٹری سے آؤٹ ہے۔ مومنہ کی ماں ثریا بھی اپنے وقت کی اداکارہ ہے۔ اب انڈسٹری نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مومنہ کے اکلوتے بھائی جہانگیر کے گردے جواب دے چکے ہیں۔ وہ ڈائیلاسس پر ہے

Khawateen Digest July 2019
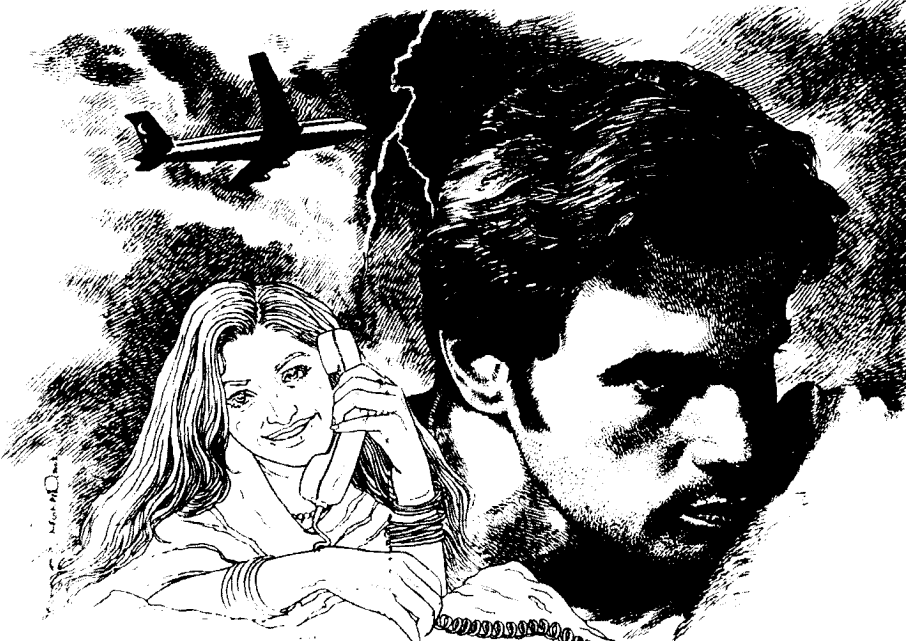
گردے کے ٹرانسپلانٹ کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ مومنہ فلموں میں کام نہیں کرنا چاہتی۔ اسے فلم انڈسٹری پسند نہیں ہے لیکن مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔

عندلیب زہرا

کنزیٰ پہلوٹی کی بیٹی تھی۔

مما کی پری...... پپا کی لاڈلی......

پہلی اولاد ہونے کے باعث اس کے ناز نخرے بھی خوب اٹھائے گئے۔ دادی، پھوپھو بھی پیار کرتیں لیکن نازک مزاج کنزیٰ کی صبح شام تو بس مما کو دیکھ کر ہوتی۔

پہلی بیٹی ہونے کے باعث بشریٰ اسے پیار کرتی لیکن جوائنٹ فیملی سسٹم کے باعث گھر کے کام اور دادی، پھوپھو کی سازشوں میں الجھی رہتی۔ کچھ شوہر سے بھی گلے ہوتے۔ کام کا بوجھ...... ناقدری کا احساس...... پہلے تنہائی میں روتی۔

اب آنسو پونچھنے کے لیے کنزیٰ آ گئی تھی۔

جب بھی دادی یا پھوپھو بے جا سناتیں، بشریٰ خوب آنسو بہاتی۔ فیڈر منہ میں دبائے کنزیٰ ٹکر ٹکر دیکھتی رہتی پھر اسے ان آنسوؤں سے تکلیف ہونے لگی تو ماں کا ہاتھ تھام لیتی۔

جب تین چار برس کی ہوئی تو ننھی ہتھیلیوں سے آنسو پونچھنے لگی۔ پانچ برس کی ہوئی تو ماں کو دکھ سکھ سننے والا ایک سامع مل گیا۔ جو شوہر کی طرح نہ تھا، جو کبھی ماں، کبھی بیوی کی طرف ہوتا۔ میکے والوں کی طرح بھی نہ تھا جو اسے صرف صبر کی تلقین کر کے اپنی زندگی میں مصروف ہو جاتے۔

کنزیٰ مما کی بات سنتی، ان کے آنسو صاف کرتی پھر ان کے کندھے پر سر رکھ کر انہیں اپنی محبت کا یقین دلاتی۔ اس کے ننھے ذہن میں دادی اور پھوپھو سے نفرت پنپ رہی تھی۔ پپا سے فاصلے...... لیکن وہ ان جذبوں کو کوئی عنوان دینے سے قاصر تھی۔ ہاں رویے کسی زبان کے مستحق نہیں ہوتے اور ہماری سوچ کا اظہار کر دیتے ہیں۔ سو ننھی کنزیٰ دادی سے دور دور رہتی۔ پھوپھو کو ناراض نظروں سے دیکھتی۔ پپا کے ہاتھ جھٹک کر مما کی گود میں سوار رہتی۔

رفتہ رفتہ بشریٰ کو کنزیٰ اپنی طاقت لگنے لگیں۔ ان کی سسرال کے لیے نفرت یا شکوے کنزیٰ کے رویے میں جھلکنے لگے۔

دادی پانی کے لیے پکارتیں...... کنزیٰ گڑیا میں مگن یا اسکول اسکول کھیل رہی ہوتی۔

پھوپھو پاس بلاتیں، کنزیٰ بہری بن کر مما کے دوپٹے کے پلو سے کھیلتی رہتی۔ ایک دن نمک زیادہ ہونے پر دادی اور پھوپھو بشریٰ کو سخت سست سنانے لگیں۔ بشریٰ کو بولنے کی اجازت نہ تھی، وہ آنسو پینے لگی۔ دادی نے شام کو بیٹے سے شکایت کی، چھ سالہ کنزیٰ نے دیکھا تو بولے بغیر نہ رہ سکی۔

''پپا! پھوپھو سارا دن موبائل پر بزی رہتی ہیں۔ وہ دادی کے لیے کوکنگ کیوں نہیں کرتیں۔ مما نے مجھے ہوم ورک بھی کروانا ہوتا ہے۔ اسجد اور موحد بھی روتے رہتے ہیں۔'' پپا نے چونک کر دیکھا تو کنزیٰ کے چہرے پر شکوہ اور ماں کے آنسوؤں کے لیے دکھ نظر آیا۔

''ہاں بھئی ارم! بشریٰ کے ساتھ کام کیا کرو۔ اسے کنزیٰ کے کام بھی کرنے ہوتے ہیں۔''

دادی اور پھوپھو نے چونک کر دیکھا۔ کنزیٰ کے چہرے پر انہیں بغاوت نظر آئی۔ بشریٰ کو پہلی بار طاقت کا احساس ہوا، انہوں نے کنزیٰ کا ہاتھ تھاما جس کی ننھی ہتھیلی کے لمس میں طاقت تھی۔ پپا، کنزیٰ

کی بات دھیان سے سنتے تھے اور بشریٰ نے اسی چیز کو اپنے لیے ہتھیار بنالیا تھا۔

''کنزیٰ! پپا سے کہو شاپنگ کے لیے جانا ہے۔''

''لنچ پر جانا ہے۔ پھوپھو کی طرح لاکٹ چاہیے۔''

کنزیٰ گڑیا کی طرح سرہلاتی، گلے میں بانہیں ڈال کر پپا سے فرمائشیں کرتی۔ اب بشریٰ کی حیثیت مضبوط ہورہی تھی۔ صحت بھی بہتر تھی۔ دو بیٹوں کے بعد اور نند کی شادی کے بعد بشریٰ گھر کی مالکن تھیں لیکن اس حکومت کو مضبوط کنزیٰ نے کیا تھا۔ جسے بشریٰ نے اپنے لیے ہتھیار بنالیا تھا۔ خالہ اور نانی تھپکی دیتیں۔ ننھیال میں وہ ''امی کا جیالا'' کے نام سے مشہور تھی۔ اس کی خالہ اور نانی کا بھی یہی طریقہ تھا،

عنبرین ریدال

کبھی کبھی زندگی اس موڑ پر مڑ جاتی ہے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور انسان مجبور ہو جاتا ہے ویسا ہی کرنے پر۔ جیسا کہ میرے ساتھ ہوا۔ میں اپنے آپ کو یقین دلاتا رہ گیا، ایسا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مجھ سے وابستہ لوگ جی بھر کے حیران ہونے کے سوا کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔ ارے بھئی بور مت ہوں بتاتا ہوں آپ کو کہ بات کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے یعنی فرحال عباس نے شادی کی بھی تو......

اب میں ٹھہرا سدا کا حسن پرست۔ میرے والدین کو بھی اس واقعے کے بعد یقین ہوا تھا، بات یہ ہے کہ جب میں سیونتھ اسٹینڈرڈ میں آیا تو جی بھر کے بدمزا ہوا۔ انگلش میرا ہمیشہ سے فیورٹ سبجیکٹ تھا، لیکن انگلش کی ٹیچر مجھے بالکل پسند نہ آئیں۔ مانا کے شکل وصورت خدا کی دین ہے لیکن کوشش تو کرنی چاہیے خود کو مین ٹین رکھنے کی، لیکن آفرین ہے مس امامہ پہ۔ ہمیشہ سادہ سی چٹیا، چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری۔ اوپر سے چار نمبر کا چشمہ وہ بھی ایسا جیسا کہ میوزیم سے چوری کیا ہو اور ڈریسنگ کی تو بات ہی چھوڑیں۔ اتنے کھلے لمبے ڈریس، لگتا تھا کسی سے مانگ کر پہنتی ہیں۔ شاید کسی اور کے ہوں کپڑے، اتنی معلومات نہیں تھیں

ہاں ذہانت اور لائقی میں وہ اسکول کی سب سے فیورٹ ٹیچر تھیں مگر اب میں اس سہارے تو کمپرومائز نہیں کر سکتا تھا نا۔ میں نے ایک ماہ انتہائی صبر سے گزارا کہ شاید اسکول کے اسٹینڈرڈ کے مطابق وہ تیار ہو کر آیا کریں مگر نہ جی، اسی لیے میں نے اسکول چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ اب ظاہر ہے، والدین نے وجہ پوچھی، میں نے وجہ بتا دی۔

''کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟'' مما میری بات سن کر چلائیں۔

''آپ کے نزدیک یہ کوئی بات نہیں، لیکن میرے لیے بڑی بات ہے۔'' میں نے قدرے ناراضی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اتنی بورنگ اور آؤٹ آف فیشن ٹیچر سے نہیں پڑھ سکتا۔''

''تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ صبح شرافت سے خود اٹھ جانا اسکول کے لیے ورنہ......''

مما نے ورنہ ادھورا چھوڑا اور کمرے سے چلی گئیں۔ مما سے بات کرنا فضول ہے۔ یہ سوچ کر میں نے پاپا سے بات کی، وہ کافی دیر تک ہنستے رہے۔

''رئیلی ینگ مین، یہی وجہ ہے۔'' میرا پھولا منہ دیکھ کر آخر کار انہیں سنجیدہ ہونا پڑا۔

''یس یہی وجہ ہے۔''

''مجھے اسکول نہیں جانا۔'' میں کہہ کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

میں جانتا تھا، میرا کام ہو جائے گا پھر وہی ہوا جو میں چاہتا تھا یعنی فیصلہ میرے حق میں ہو گیا۔ مما کو پاپا نے کیسے منایا، یہ مجھے نہیں پتا۔ ہاں ٹھیک دو دن کے بعد میرا ایڈمیشن دوسرے اسکول میں ہو گیا۔

''تمہاری اتنی سطحی سوچ پر مجھے بہت افسوس ہوا، بہرحال۔'' مما نے تاسف سے کہا۔

''لیکن مما! مجھے وہ نہیں پسند تھیں، میں ان کے

پاس پڑھتا تو فیل ہو جاتا۔" میں کہہ کر کھانے پر جھک گیا۔ میرا پسندیدہ کھانا جو تھا۔

☆☆☆

ہمارا یونیورسٹی میں لاسٹ ایر تھا، باتوں ہی باتوں میں اس لڑکی کی سریلی آواز جو تقریباً دو سال سے میری کلاس فیلو تھی، مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"سر! مجھے جانور نہیں پسند۔ میں مینڈک کو ہاتھ نہ لگانے کی وجہ سے میڈیکل میں نہیں گئی۔"

بات کلاس روم میں گھومنے والے چوہے سے ہوتی ہوئی پالتو جانور تک پہنچ گئی تھی۔

"او رئیلی۔" اس کے جواب پر سر مسکرانے لگے۔

"جی سر۔" پُر اعتماد چمکتی نکھوں والی سانولی سی لڑکی نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے الجھن ہوتی ہے جانوروں

شمائلہ دلعباد

رت بدل رہی تھی اور سورج جلدی تھکنے لگا تھا۔ دھوپ میں گدلا پن عصر کے بعد ہی سے جھلکنے لگتا۔ دیوار پار سنگتروں کے باغ سے مہک آنے لگی تھی۔ گھر کے آنگن میں لگے جامن، بیری اور نیم کے پیڑ جون جولائی کی شعلہ اگلتی دھوپ گزرنے کے بعد پھر سے سبز لگنے لگے تھے۔ گملوں اور کیاریوں کے ننھے منے پودوں میں پھول کھل رہے تھے۔ مگر موسم کے بدلنے

مکمل ناول

سے کیا ہوتا ہے۔ جب دل کا موسم زرد ہو اور خبر بھی ہو کہ یہ مردنی دائمی ہے، اپنے ہاتھوں کمائی ہوئی ہے۔ اب لاکھ بیچنا چاہیں، اس کا خریدار کوئی نہیں۔

اس نے گہری سانس لے کر ملی جلی خوشبو اندر کھینچی اور چھت کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اوپر حسب معمول عائشہ آتے جاتے پنکھ پکھیروؤں کے لیے تازہ تازہ پانی اور باجرا ڈال رہی تھی۔ آج اس نے باجرا بھی نہ لیا اور وسیع چھت کی آخری منڈیر پر جا کھڑی ہوئی۔ اسے پتا تھا آنے والا رستہ بھول چکا ہے۔

''عائشہ باجی! کبھی کبھی مجھے یہ سڑک بہت ظالم لگتی ہے۔''

''لو جی۔ سڑک کیوں ظالم ہوگی، ظالم تو مسافر ہے۔ ورنہ یہی رستہ جو مسافروں کو لے کر جاتا ہے واپس بھی تو لاتا ہے۔'' عائشہ اس کی بات کا پس منظر خوب جانتی تھی، اسی لیے ایسا جواب دیا۔

اس نے ایک آہ بھر کر فضا میں اکیلی رہ جانے والی کونج کی کرلاہٹ کھوجی جو جلد ہی اسے مل بھی گئی، بالکل اسی کی طرح تنہا۔

آج صبح سے وہ دشمن جاں یاد آ رہا تھا۔ یاد بھی ایسی کہ دل پگھل پگھل کر آنکھوں کے رستے بہہ جانے کے درپے تھا۔ اسے خبر تھی کہ پکارنے میں اور بھی رسوائی تھی۔

جتنی بھی رسوائی تھی
میں نے آپ کمائی تھی
کتنی باتیں نکلی ہیں
ایک ہی بات چھپائی تھی

کاشفہ حسین

خالی گھونسلہ

''ایک سال ہوگیا شاہ جی کو گئے، وقت گزرنے کا پتا ہی کہاں چلتا ہے۔'' ثمر کی آواز میں رقت سے زیادہ لوچ تھا۔

''ہائے، بے وقت کی بیوگی۔'' مرزا نے دل میں سوچا، آخر مرد تھا۔

''جی جی۔ میں ضرور کوشش کروں گا۔'' وہ فون پر شاہ۔۔ کی بیوی سے محو گفتگو تھا، شاہینہ کے کان کھڑے ہوگئے۔

''کوشش نہیں، بس آپ نے آنا ہے۔'' ایک مان تھا اس کے لہجے میں۔

"شاہ جی کی برسی ہے۔ میں ان کے شایان شان منانا چاہتی ہوں۔"

"جی بالکل۔ آپ نے اتنے مان سے کہا، اب تو میں ضرور حاضر ہوں گا۔"

مرزا نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ شاہینہ سارے کام چھوڑ کر، کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ گویا کمر کس کر تیار کھڑی تھی۔ ادھر فون بند ہوا، اُدھر وہ شروع۔

"کیا خوش قسمت عورت ہے۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"شوہر کروڑوں کی جائیداد، لاکھوں کی ہر ماہ آمدنی چھوڑ کر مرا۔ ایک ہمارے ہی مجازی خدا کو پولیس کی نوکری کرنا نہ آئی۔ لوگ کہیں کے کہیں پہنچ گئے۔" یہ شاہینہ کا پسندیدہ جملہ تھا۔ ٹھنڈی آہ کے تڑکے کے ساتھ، مرزا نے حسب عادت سنی ان سنی کیا۔

شام میں جب وہ اس شان دار دو ہزار گز کے بنگلے میں تعزیتی چہرے بنا کر پہنچے تو شاہینہ کو لگا وہ کسی غلط جگہ آ گئی ہے۔ مرزا کو تو عادت تھی اس قسم کی تقریبات کی۔ شاہینہ اب بھی اس ماحول کی عادی نہ ہوئی تھی۔ ایک بڑے قوال اپنی فل میوزک قوالیوں سے لوگوں کو محظوظ کر رہے تھے۔ یہ بڑے بڑے جھینگے، خشک میوے اور بلوریں گلاس میں گولڈن سیال۔ ابھی تو اسٹارٹر چل رہا تھا مگر دھویں کے مرغولوں میں لوگ ابھی سے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ شاہینہ نے خفگی بھری نظروں سے مرزا کو دیکھا۔

"بس یار! حاضری لگوانی ہے۔" مرزا نے اسے تسلی دی۔ کافی آگے جا کر شاہ جی کی قد آدم تصویر کے آگے شمعیں جل رہی تھیں۔ لوگ پھول لے کر آ رہے تھے۔ شاہ جی کی بیوی سفید ساڑھی، ڈائمنڈ سیٹ اور لمبے سلکی بالوں میں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔

"یار! یہ اتنی خوب صورت کب تھی؟" مرزا نے شاہینہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"کم بخت کہیں سے چالیس پینتالیس کی نہیں لگ رہی۔" مرزا ہی نہیں خود شاہینہ بھی حیران رہ گئی تھی، ورنہ کرارے جواب دینے میں اس کا ثانی نہیں تھا مگر اس وقت تو اس کی بھی بولتی بند تھی۔

"ایک طرف بڑی سی تصویر پر ہار پھول، دوسری طرف موم بتی اور پھول۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کم بخت ہندو مرا یا سیکیولر لبرل۔"

وہ سوچ رہی تھی اور ساتھ ہی اس ماحول سے نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی مگر مرزا کو دیکھ کر شاہ جی کی بیوہ لٹو ہی ہوگئی بلکہ گوند لگا کر چپک گئی۔

"نہیں۔ اس طرح تو میں آپ کو جانے نہیں دوں گی۔" وہ لگاوٹ بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"واہ رے عہدے۔" شاہینہ نے سوچا۔ مرزا کے ابا اچھی خاصی زمینیں چھوڑ کر گئے اور بہر حال کچھ تربیت بھی تھی کہ کم میں گزارا کیا مگر اوپر کا مال نہیں بنایا۔ خود شاہینہ کی بھی عادت تھی، کبھی باتیں سنانے کی حد تک بول لیتی مگر دل سے وہ بھی اسی بات کی قائل تھی کہ حلال ہی میں برکت ہے۔ ایسے لوگ اگر کسی طرح سسٹم میں رہ بھی جاتے ہیں تو مس فٹ ہی رہتے ہیں جیسے مرزا زندگی بھر رہا۔

اس نے دور سے مرزا کو اشارہ کیا نکلنے کا۔ باہر ڈرائیور کھڑا تھا، اس کے ساتھ اپنی آپا کے گھر اتر جاتی۔ شاہینہ مرزا کو پہلے ہی کہہ چکی تھی مگر دو منٹ کے فرق سے مرزا اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

"مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی وہاں پر۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"شاہ جی کا اوپر کیا حال ہوگا، اپنی اولاد اور بیوی کو اس حال میں دیکھ کر۔" مگر تھوڑی ہی دیر میں اپنی جون میں واپس آ گیا۔

"تمہاری آپا تو مجھے اندر بلائیں گی نہیں؟" اسے شاہینہ کو چھیڑنے میں مزا آتا تھا۔

اور شاہینہ کون سا ادھار رکھتی تھی۔ تیس سال

فرزانہ کھرل

وہ بچپن سے دیکھتی چلی آرہی تھی کہ دادی اور چچی کی زندگی میں جب بھی اور جہاں بھی کچھ بُرا ہوتا، بھلے بیچ سڑک ان کے تانگے کا گھوڑا ہی کیوں نہ بیٹھ جاتا اور کہیں بھگدڑ میں ان کا پرانا جوتا ہی کیوں نہ ٹوٹ جاتا وہ ان تمام مسائل کا ذمّہ دار ۔ کیسری کو ہی ٹھہراتیں۔ دادی کے کوسنے تو زندگی کی ڈور ٹوٹنے کے ساتھ مٹی میں مل گئے مگر چچی کے کوسنے اب پہلے سے بھی جدت اختیار کر چکے تھے۔ اس وقت بھی وہ کام میں مصروف تھیں سو غصے سے بل کھاتی درین کا رخ اب اس کمرے کی طرف تھا جس میں اسٹور کا دروازہ کھلتا تھا۔

''تم بھلے اس کی طرف داری کر کے ثواب لوٹتی رہو، میں تو پتوں کی بربادی بھی اسی منحوس کے سر ڈالوں گی۔'' درین کے عقب سے ابھرنے والی چچی کی آواز نے اس کے اندر کسی انکشاف کی کھڑکی کھولی۔

''انہوں نے ایسا کیوں کہا؟'' وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

مکمل ناول

حنا یاسمین

"میں آج کے بعد چچی کی طرف نہیں جاؤں گی۔"

ایہا نے آتے کے ساتھ پاؤں پٹخے اور منہ بنا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ جہاں سفیان کی میکرونی رکھی تھی۔ لہٰذا میکرونی میں موجود کیچپ سلک کے جدید اسٹائل کے سلے سوٹ پر اپنا نقشہ تیار کر گئی تھی۔ سفیان کی دل دہلا دینے والی چیخ نے سب کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ پلیٹ کس بے وقوف نے یہاں رکھی تھی۔ ہائے میرا سوٹ۔" پیچھے سے امی نے ایک دھپ رسید کی اور کہا۔

"بے وقوف تم ہو۔ تمہیں نظر نہیں آیا اور تم اس کی میکرونی پر بیٹھ گئیں۔"

"یہ اودے نیلے۔ ہرے۔ پیلے ڈیلے اتارے گی تو کچھ نظر آئے گا۔" دادی نے اس کے لینس پر تبصرہ کرتے ہوئے لقمہ دیا۔ اسے امی کی بات اتنی بری نہیں لگی جتنی دادی کی بات لگی۔

"دادی! آپ تو میری ہر بات پر اعتراض کیا کریں۔"

"لو بھلا میں نے کیا کہہ دیا میری طرف سے چاہے سارے رنگوں کے ڈیلے لگا لو۔ رہنا تو تم نے چھینی ناک والی ہے۔" دادی پوپلا سا منہ بنا کر بولیں۔ سفیان کا فلک شگاف قہقہہ جلتی پر تیل تھا۔

"شکریہ دادی! میری میکرونیز خراب کرنے پر حساب برابر کر لیا۔"

ایہا غصے سے منہ بنا کر چلی گئی۔ بشریٰ نے بیٹی کو اندر جاتے دیکھا تو ساس سے بولیں۔

"امی! آپ اس کی کبھی آنکھ، کبھی کان، کبھی ناک کو نہ لے کر بیٹھ جایا کریں۔ اس کی ناک اس کے دادا پر ہی گئی ہے۔" ساس پر چوٹ کرتی بہو صاحبہ کچن کی طرف چل دیں۔ اب پیچھے سے وہ ان کے بخیے ادھیڑنے لگیں۔

"تمہارے تو سارے گھر والوں کی ناکیں پچاس مرلے پر ہیں۔ میرے مرحوم شوہر کو کیسے کہہ گئی۔ ہنہہ!"

"دادیاں تو سو باتیں کرتی ہیں۔ میں نے کچھ کہہ دیا تو کیا تکلیف ہو گئی بہو صاحبہ کو۔ ذرا سی بھی برداشت نہیں ہے جب دیکھو ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے۔ بیٹی کو بھی یہی سکھا رہی ہے کہ بوڑھی دادی کی بات پر منہ بنایا کرے۔ لڑکی کے طور طریقے دیکھو، گھر میں اتنا تیار ہو کر رہتی۔ کبھی کھلے پائنچوں والے لہنگے پہن لیتی ہے۔ کبھی نیلی پیلی آنکھیں کر لیتی ہے۔"

ساس کی آواز کچن میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ سفیان پلیٹ اٹھائے ماں کے پیچھے آ گیا۔

"امی میکرونی اور بنا دیں۔"

"جاؤ پہلے دادی کو چپ کراؤ۔" سفیان نے مسکرا کر ماں کی طرف دیکھا۔

"ویسے امی! جتنی زبردست کلاس دادی ایہا کی لیتی ہیں، کسی اور میں اتنی ہمت نہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہ چچی کی طرف کوئی معرکہ سرانجام دے

Khawateen Digest July 2019

کر آئی ہے۔"

سفیان کی بات نے ساس کا غصہ دیورانی کی طرف کر دیا۔

"یہ لبنیٰ کی بہت بری عادت ہے۔ ماری ہوگی شو بچی کے سامنے اور اس سے برداشت نہیں ہوا ہوگا۔" سفیان کو کھانسی آ گئی۔

"امی! بچی یونیورسٹی بھی پاس کر چکی ہے۔ اس لیے اب اس کو بڑا سمجھنا شروع کر دیں۔" میکرونیز دوبارہ سے تیار کرتی بشریٰ نے جوان ہوتے بیٹے کی شکل دیکھی۔ جہاں ہلکی ہلکی مونچھیں آ چکی تھیں اور فیشن زدہ داڑھی۔ اوپر سے بالوں کا عجیب انداز۔

"یہ تم نے شکل کیا بنا رکھی ہے؟ اماں ٹھیک کہتی ہیں کہ میری اولاد کے فیشن ایسے ہیں جیسے پیچھے سے ہم میراثی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ چہرے پر شیو ایسے بڑھا رکھا ہے کہ ہر وقت ہونق لگتے ہو اور بال دیکھو اپنے جھاڑو کا دھاگا ٹوٹ گیا اور وہ بکھر گئی۔"

بشریٰ نے اتنی تیزی سے اس کے حلیے کا تیا پانچہ کیا کہ وہ ماں کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

نمرہ احمد

جنت کے پتے

استوڈیو کی دیواریں اور فرش طوطے کے رنگ کی شیٹ سے ڈھانکی گئی تھیں۔ رنگ اتنا تیز تھا کہ آنکھوں میں چبھتا تھا۔ ایڈم بن محمد پہلی دفعہ کسی اسٹوڈیو کے اندر آ رہا تھا اور یہ ماحول اس سے یکسر مختلف تھا جو وہ ٹی وی پہ دیکھتا تھا۔

ٹی وی اینکرز کے پیچھے مختلف رنگوں میں پروگرام کا لوگو بنا ہوتا تھا...... یا اپنے شہر کے مشہور مقامات کی تصاویر...... یا اسکرین پہ مناظر چل رہے ہوتے تھے۔ اینکرز جس ڈیسک پہ بیٹھے ہوتے تھے اس پہ بھی پروگرام کا لوگو پرنٹ ہوتا تھا۔ مگر وہ سب ٹیکنالوجی کا دھوکا تھا۔

درحقیقت ڈیسک' دیواریں' فرش سب سبز ہوتے تھے اور اس سبز رنگ میں تصاویر ٹیکنالوجی کی مدد سے بنائی جاتی تھیں۔ چھت البتہ نہیں دکھائی جاتی تھی۔ اپنی کرسی پہ بیٹھے ایڈم نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ اوپر خلا تھا۔ چھت کافی اونچی تھی اور وہاں تاریں' کیمرہ اسٹینڈز اور پولز دکھائی دیتے تھے۔

''بریک سے واپسی پہ خوش آمدید۔'' ڈائریکٹر نے کیو دیا تو سامنے بیٹھی اسکارف والی اینکر مسکرا کے کیمرے کو دیکھ کے کہنے لگی۔ ایڈم نے دیکھا' وہ جس

ستائیسویں قسط

حبیبہ عمیر

بددعا

لیبر روم میں کافی رش تھا اور یہ معمولی بات تھی' چونکہ یہ گورنمنٹ کا اسپتال تھا۔ لہٰذا رش ہونا معمول کی بات تھی۔ زیادہ تر غریب لوگ آتے تھے۔

"زارا! تم کینٹین سے کچھ کھانے کو ہی لے آؤ۔ صبح ناشتا کیے بغیر ہی آگئیں اور ابھی ڈیوٹی ختم ہونے میں کافی دیر ہے۔" شہلا بڑی محبت سے اپنی دوست سے بولی۔

"یار! کینٹین بہت دور ہے اور میرے پیروں میں ویسے بھی درد ہے... تمہیں تو معلوم ہے نا یہاں کھڑے کھڑے کام کرنا پڑتا ہے۔" زارا بڑی صفائی سے انکار کر گئی۔ وہ ایک کونے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان ہوگئی۔

"ہوں... پیروں میں درد ہے' صاف بہانہ ہے اس کا..." شہلا بڑبڑائی ساتھ ہی نخوت سے سر مارا اور سامنے پڑی فائل پر نظر دوڑائی... "یہ پروین نذیر کون ہے تم لوگوں میں...؟" وہ ہال میں دیکھ کر زور سے بولی۔

"جی... میں ہوں..." درد کے واضح آثار چہرے پر لیے بیرون شال لپیٹے بڑی دقت سے اسٹول سے کھڑی ہو کر ایک سانولے رنگ کی عورت نے کہا۔

"تم ہو..." شہلا نے تائید چاہی۔

"جی... میں ہوں پروین نذیر..." وہ بڑی مشکل سے چل کر اس تک آئی۔

"آہ..." پہنچتے ہی کراہ نکلی۔

"تو بی بی! جاکر یہ انجکشن لے کر آؤ۔ یہ تمہیں پتا نہیں کہ بڑی ڈاکٹر نے لکھ کر دیے ہیں۔" اس نے زارا کا غصہ اس پر نکالا۔

"اور تم... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ روم میں آتی ایک لڑکی کو ڈانٹ کر بولی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی اسے بہت درد ہو رہا ہے۔

"پہلے تو یہ بتائیں کہ آپ کو کس نے اندر آنے دیا ہے' پتا نہیں ہے کہ صرف مریض اندر آسکتے ہیں۔ ان کے رشتے دار نہیں۔ وہ غصہ ہوئی۔

"معلوم ہے ڈاکٹر لیکن میری بیٹی سے کھڑا نہیں ہوا جارہا ہے' اس لیے آئی ہوں۔" وہ پریشانی سے بولیں۔

"بی بی! یہاں سب ہی عورتیں اسی حالت میں ہیں' تمہاری بیٹی کوئی انوکھی نہیں ہے۔ چلو جاؤ اب اور اسے یہاں چھوڑ دو تم۔" شہلا بدتمیزی سے بولی۔ وہ بے چاری اپنی بیٹی کو حوصلہ دینے لگی۔

"عروہ بیٹا! گھبرانا نہیں... بس تم وہ آیات پڑھتی رہنا جو میں نے تمہیں بتائی ہیں... اچھا میرا بچہ...." وہ اس کو پیار کر کے چلی گئیں۔ وہ بے چاری وہیں دروازہ تھام کر کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اسے باہر چلنے کا کہا تھا اور وہ بے چاری پچھلے چار گھنٹوں سے باہر چل رہی تھی۔

''وہ، ردی کاغذ اور چیتھڑے لکھنے والا، وہ کیا میری بینڈ بجائے گا۔ اس سے پہلے میں اس کی اوقات یاد دلا دوں گا اسے۔'' ختم ہوتی سگریٹ کو ایش ٹرے میں انہوں نے یوں مسلا جیسے خود اورنگ زیب خاکوانی کو مسل کر خاک میں ملا رہے ہوں۔

''بہت بڑبولا شخص ہے۔ آتا جاتا کچھ نہیں، چار چھ کتابیں رٹی ہوئی ہیں۔ ان ہی کے بل بوتے پر خود کو دانش ور اور انٹلیکچوئل مشہور کیا ہوا ہے۔ دانش وری نہ ہوئی گھر کی کھیتی ہوگئی۔ جب جی چاہے اگا لو۔'' چہرے پر تنفر سجائے آفاق یزدانی نے مزید زہر اگلا۔

''ارے آپ کے آگے کیا بیچتا ہے، خاک؟''

''آج کل تو خاک اڑانے کے لیے بھی بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔'' آفاق نے ایک طنزیہ ہنسی مخاطب پر اچھالی۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔'' مراد علی کا خوشامدانہ لہجہ مزید شیرے میں لتھڑ گیا۔

''چلو چھوڑو اس ٹٹ پونجیے کو۔'' اورنگ زیب خاکوانی کے بخیے ادھیڑتے ادھیڑتے وہ غالباً بور ہوگئے تھے۔ اس لیے دوسرے موضوع کی طرف آ گئے۔

نعیمہ ناز

یزداں

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عیاض بن حمارؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری قوم کا ایک شخص مجھے گالی دیتا ہے جبکہ وہ مجھ سے کم درجے کا ہے۔ کیا میں اس سے بدلہ لوں؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص دو شیطان ہیں جو آپس میں فحش گوئی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔

(ابن حبان)

موت کا سبب،

بو علی سینا کا بچہ مر چکا تھا۔ دوست احباب، عزیز و اقارب تعزیت کے لیے آتے اور ان سے طرح طرح کے سوالات کرتے۔ اس دوران کسی نے ان سے سوال کیا کہ آخر بچے کی موت کا سبب کیا ہے؟"

بو علی سینا نے جواب دیا۔

"مجھے اس کی زندگی کا سبب نہیں معلوم ہو سکا۔ اس کی موت کا سبب کس طرح بتاؤں؟"

نمک پارے،

☆ زندگی میں بہت سی چیزیں دولت سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ انہیں خریدنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ ہمارے ہاں شادی ہمیشہ پسند سے کی جاتی ہے۔ یعنی گھر والوں کی پسند سے۔

☆ آج مہنگائی کی یہ حالت ہے کہ کوئی لکھ پتی اپنی بیوی کے ساتھ شاپنگ کے لیے جائے تو واپسی پر وہ صرف پتی ہوتا ہے۔

آسیہ جاوید۔ (بادہ دری) علی پور چٹھہ

موتیوں جیسے الفاظ،

● کسی کی خوبیوں کی تعریف کرنے میں وقت ضائع مت کرو، بلکہ اس کی خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کرو۔

● خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے لیکن سیرت قبر تک جاتی ہے۔

● اس دن پر آنسو بہاؤ جو تم نے بغیر نیکی کے گزار دیا۔

● گناہ اتنا کرو، جتنا تم میں عذاب سہنے کی طاقت ہے۔

● زبان کے خنجر سے کسی کو زخمی مت کرو۔

● قلم، قدم اور قسم زندگی میں ہمیشہ سوچ کر اٹھانا۔

● جب جسم کے لیے موت ہے تو راہ حق میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔

فضہ بلال۔ کراچی

دلوار،

میاں بیوی میں لڑائی چل رہی تھی۔ بیوی نے شوہر سے کہا۔

"اگر میں تمہارے رستے کی دیوار ہوں تو اسے گرا کیوں نہیں دیتے؟"

شوہر بولا۔ "جی تو بہت چاہتا ہے، مگر دوسری دیوار بنانے میں خرچہ بہت آئے گا۔ یہ سوچ کر رک جاتا ہوں۔"

نادیہ یاسر۔ گوجر خان

نادیہ اقبال کی ڈائری سے

آمرانہ فوجی قوتوں کی قید میں شہادت کے درجے پر فائز ہونے والے مصر کے منتخب صدر محمد مرسی نے اپنی جان دے دی مگر فوجی آمریت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ ان کی شہادت ایک مثال ہے ان تمام لوگوں کے لیے جو فوجی آمریت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔

طارق حبیب کی یہ نظم محمد مرسی کے نام۔

لہو میں بھیگے تمام موسم
گواہی دیں گے کہ تم کھڑے تھے
وفا کے رستے کا ہر مسافر
گواہی دے گا کہ تم کھڑے تھے
سحر کا سورج گواہی دے گا
کہ جب اندھیرے کی کوکھ میں سے
نکلنے والے یہ سوچتے تھے
کہ کوئی جگنو نہیں بچا ہے
تو تم کھڑے تھے
تمہاری آنکھوں کے طاقچوں میں
جلے چراغوں کی روشنی نے
نئی منازل ہمیں دکھائیں
تمہارے چہرے کی بڑھتی جھریوں نے
ولولوں کو نمود بخشی
تمہارے بھائی، تمہارے بیٹے
تمہاری بہنیں، تمہاری مائیں
تمہاری مٹی کا ذرہ ذرہ
گواہی دے گا کہ تم کھڑے ہو
ہماری دھرتی کے جسم سے جب
ہوس کے مارے
سیاہ جونکوں کی طرح چمٹے
تو تم کھڑے تھے
تمہاری ہمت، تمہاری عظمت اور استقامت
تو وہ ہمالہ ہے جس کی چوٹی تلک پہنچنا
نہ پہلے بس میں رہا کسی کے

نہ آنے والے دنوں میں ہوگا
سو آنے والی تمام نسلیں
گواہی دیں گی کہ تم کھڑے تھے
لہو میں بھیگے تمام موسم
گواہی دیں گے کہ تم کھڑے تھے
وفا کے رستے کا ہر مسافر
گواہی دے گا کہ تم کھڑے تھے

ثوبیہ قطب کی ڈائری سے

ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔ زندگی بے [illegible] کا سفر ہی تو ہے۔ اس بے خبری اور لاعلمی کو عمیر نجمی [illegible] طرح بیان کر رہے ہیں۔ اس غزل میں دیکھیے۔

پہنچی ہے کس طرح مرے لب تک نہیں پتا
وہ بات جس کا خود مجھے اب تک نہیں پتا

اک دن اداسیوں کی دوا ڈھونڈ لیں گے لوگ
ہم لوگ ہوں گے یا نہیں تب تک نہیں پتا

کب سے ہے، کس قدر ہے، یہ کیسے پتا چلے
مجھ کو اس جنوں کا سبب تک نہیں پتا

جس کے سبب میں اہل محبت کے ساتھ ہوں
وہ شخص میرے ساتھ ہے کب تک، نہیں پتا

خالدہ جیلانی

حمیرا شفیع ـــــــ صادق آباد

آغاز محبت کا انجام بس اتنا ہے
جب دل میں تمنا تھی اب دل ہی تمنا ہے

خدیجہ اکرم ـــــــ بہار کالونی کراچی

آنکھیں جو اٹھائے تو محبت کا گماں ہو
نظروں کو جھکائے تو شکایت سی لگے ہے

شبانہ یاسر ـــــــ گاؤں لیاقت پور

ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو

ماہا بشیر حسین ـــــــ ڈنگہ

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

عائشہ صدیقہ ـــــــ راولپنڈی

آگہی، کرب، وفا، صبر، تمنا، احساس
میرے ہی سینے میں اترے ہیں یہ خنجر سارے

عنبرین اعوان ـــــــ کراچی

ہمیں کم بخت احساس خودی اس در سے لے اٹھا
ہم اٹھ جاتے تو وہ پردہ بھی اٹھ جاتا جو حائل تھا

ثنا ذوالفقار ـــــــ بورے والا

ہزاروں جان دیتے ہیں بتوں کی بے وفائی پر
اگر ان میں سے کوئی باوفا ہوتا تو کیا ہوتا
رلایا اہل محفل کو نگاہ یاس نے میری
قیامت تھی جو اک قطرہ ان آنکھوں سے جدا ہوتا

عالیہ رشید ـــــــ گجرات

اپنے ہم راہ جو آتے ہو ادھر سے پہلے
دشت پڑتا ہے میاں عشق میں گھر سے پہلے

نورین شاہ ـــــــ کراچی

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

سحر فاطمہ ـــــــ واہ کینٹ

کتنا مشکل ہے اذیت یہ گوارا کرنا
دل سے اترے ہوئے لوگوں میں گزارا کرنا

شبانہ عندلیب ـــــــ گوجرانوالہ

زباں پہ آئی تھی اک بات حرف حق بن کر
شہر میں خبر یہ پھیلی، زباں دراز ہیں ہم

ام کمال ـــــــ فیصل آباد

وہی شخص میرے لشکر سے بغاوت کر گیا
جیت کر سلطنت جس کے نام کرنی تھی

ثمرہ، اقرا ـــــــ کراچی

اس کا بھی غم بہت اب معدوم ہو چکا ہے
وہ خوش ہے کھو کے ہم کو معلوم ہو چکا ہے
ہر سوچ میں وہ میری کچھ ایسے بس گیا ہے
ہر فعل میرا اس سے موسوم ہو چکا ہے

ماریہ عمران ـــــــ میر پور خاص

یہی تعبیر ہے خواب دل سودائی کی
زندگی رات ہے اور رات بھی تنہائی کی

روماں احمد ـــــــ کراچی

اس عشق کے طفیل لڑائی رہی سدا
گھر سے، رقیب سے، ناصح سے، یار سے

نادیہ طاہر ـــــــ خانیوال

ہاتھ پہ اپنے لکھ کے اپنا نام
میں تمہیں سونپ دوں، ذرا ٹھہرو

حنا تاج ـــــــ راولپنڈی

اچھا تیری نظر میں بہت منفرد ہوں میں
یعنی تیری نظر میں کوئی دوسرا بھی ہے

اقصیٰ ناصر ـــــــ کراچی

میری آنکھیں کہیں محفوظ کر لو
ان آنکھوں نے اسے دیکھا ہوا ہے

باتیں زینب شبیر سے

شاہین رشید

1۔ اصلی نام؟
''زینب شبیر۔''
2۔ پیار کا نام؟
''ماما۔''
3۔ تاریخ پیدائش/سال؟
''26 جون 1998۔''
4۔ قد/ستارہ؟
''5 فٹ 8 انچ، کینسر۔''
5۔ مادری زبان؟
''اردو۔''
6۔ بہن بھائی، آپ کا نمبر؟
''چار بہنیں ہیں ہم اور میں تیسرے نمبر پر ہوں۔''
7۔ شادی؟
''ابھی تک تو نہیں ہوئی۔ یہ سوال کچھ سال بعد پوچھیے گا، ہوسکتا ہے جواب مل جائے۔''
8۔ تعلیم؟
''گریجویشن۔''
9۔ شوبز میں آمد، گھر والوں کا ردعمل؟
''اپنے لک سے آئی ہوں۔ ویسے ماما کی خواہش تھی کہ میں فنکارہ بنوں سو بن گئی۔ اور سب گھر والے بہت خوش تھے اور کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ جب میں پہلی بار ٹی وی پر آئی تو سب بہت خوش ہوئے۔''
10۔ بچپن کی ایک بری عادت جو مشکل سے گئی؟
''بچپن میں جب کوئی غلطی کرتی تھی تو سب سے چھپاتی تھی اور اب کوئی غلطی کرتی ہوں تو سب سے پہلے بتاتی ہوں۔''
11۔ پہلی کمائی کس کے ہاتھ میں رکھی؟
''ماما کے ہاتھ میں، بالکل پاگلوں کی طرح پکڑاتے ہوئے انہیں بہت خوشی تھی پہلی کمائی پر۔''
12۔ ایک ادھورا خواب جو اکثر دیکھتی ہیں؟
''خواب تو نہیں کہہ سکتی، ایک خواہش کہہ سکتی ہوں کہ جو پوری نہیں ہوئی۔ میری خواہش تھی کہ میری ''نانی'' مجھے ٹی وی پر کام کرتا ہوا دیکھتیں۔ مجھے کماتے ہوئے دیکھتیں، مگر افسوس کہ وہ بہت جلد ہم سے جدا ہوگئیں۔''
13۔ آپ کا سورج کب طلوع ہوتا ہے؟
''ہاہاہا...... جب شوٹ ہو تب 9 بجے نکل آتا ہے مگر جب شوٹ نہ ہو تو کبھی کبھی تو دو بجے دوپہر بھی نکل آتا ہے۔''
14۔ صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟
''چائے۔''
15۔ بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتی ہیں؟
''کچھ نہیں کھاتی، بس چائے پی لیتی ہوں۔ کیونکہ چائے ہر مسئلہ کا حل ہے۔''
16۔ پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟
''اللہ! پاکستان کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے۔ (آمین)''
17۔ کس ملک کی شہریت لینے کی خواہش ہے؟
''انگلینڈ کی۔''
18۔ زندگی تب بوجھ بن جاتی ہے جب؟
''بوجھ نہیں بنتی کبھی...... جب مشکل میں ہوتی ہوں تو سوچتی ہوں اللہ ٹیسٹ لے رہا ہے۔''
19۔ فینز ملتے ہیں تو آپ کا ردعمل؟

ذمہ داری

کبھی کبھی کوئی ایسا انسان جسے ہم سرسری لیتے ہیں وہ ایسی بات کر جاتا ہیں جس کی ہمیں توقع بھی نہیں ہوئی۔ ایسی ہی ایک بات ماڈل مشک کلیم کی ہے۔

ہماری ماڈلز اور اداکاراؤں کو گورا دکھا دکھا کر معاشرے میں گوری رنگت سے متاثر لوگوں کو مزید اس کا اسیر کردیا ہے۔ سانولے اور کالے رنگ کو عیب بنا کر پیش کیا جاتا ہے (حد تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں خواتین فنکاروں کے ساتھ ساتھ مرد فنکاروں نے بھی گورا ہونے کے لیے انجکشن لگوائے ہیں) مشک کلیم کسی کپڑوں کے برانڈ کے لیے شوٹ کروا رہی تھیں جہاں ان سے کہا گیا کہ کیوں کہ وہ گوری نہیں ہیں۔ (مشک کلیم سانولے رنگ کی مالک ہیں) اس لیے انہیں فوٹو شاپ کے ذریعے گورا دکھایا جائے گا (اچھا! بتاتے بھی ہیں؟)

خبریں و دیگر

واصفہ سہیل

جوڑی

بالآخر سجل علی اور احد رضا میر منگنی کے باضابطہ بندھن میں بندھ گئے ہیں احد رضا میر کہتے ہیں کہ انہیں انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ اپنے اپنے خاندان کی دعاؤں کے ساتھ ہم باضابطہ منگنی کے بندھن میں بندھ گئے ہیں۔ ہمارا خاص دن ہمارے خاندان، دوستوں اور مداحوں کی دعاؤں اور محبت سے مزید خاص بن جائے گا۔

یاد رہے کہ اس جوڑی کے چرچے "یقین کا سفر" سے شروع ہوئے تھے اور آنگن تک جا پہنچے۔ احد رضا میر گزشتہ سال اپنے ایک انٹرویو میں یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں حقیقی زندگی میں بھی سجل علی بہت پسند ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ سجل علی ایک بہترین اداکارہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوب صورت خاتون بھی ہیں (سجل علی! خاتون......؟) بلکہ ان کے پاس سجل کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

دالچہ

اشیاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پیاز	آدھا پاؤ
ٹماٹر	آدھا پاؤ
دال چنا (ابلی ہوئی)	ایک کپ
ہرا دھنیا، ہری مرچ	آدھا کپ
گھی	ایک کپ
ادرک لہسن	چار چائے کے چمچے
املی کا پانی	دو کھانے کے چمچے
لوکی (کاٹ لیں)	ایک پاؤ
ہلدی پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی	تھوڑی سی
کڑی پتے	دس عدد
سفید زیرہ (بھنا اور پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

گھی گرم کریں۔ پیاز ہلکی سنہری کریں۔ اس میں لہسن، ادرک، دھنیا، ہلدی، لال مرچ، نمک، گوشت ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد دو کپ پانی ڈال کر گلالیں۔ ٹماٹر ڈالیں اور بھون لیں۔ کٹی لوکی ڈال کر پکائیں کہ لوکی بھی گل جائے۔ ابلی ہوئی دال تھوڑا چورا کر کے ڈالیں۔ املی کا پانی ڈالیں۔ کری پتے، پسی ہوئی دار چینی، ہرا مسالا کاٹ کر ڈالیں۔ آخر میں سفید زیرہ ڈالیں۔ گرم چاول کے ساتھ سرو کریں۔

پسندے کبابی

اشیاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
لہسن ادرک	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
جائفل، جاوتری	چوتھائی چائے کا چمچہ
دہی	آدھا کپ
ثابت گرم مسالا (لونگیں، ثابت سیاہ مرچ، بڑی الائچی)	ایک کھانے کا چمچہ
پپیتا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	دو عدد
تیز پات	ایک یا دو پتے
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
ابلے آلو، ہرا دھنیا	گارنشنگ کے لیے

ترکیب:۔

گوشت کے پارچوں کو دھو کر کسی بھاری چیز سے ہلکا سا کچل لیں۔ ایک برتن میں دہی میں لہسن، ادرک پسا ہوا، لال مرچ پسی ہوئی، گرم مسالا پسا ہوا، جائفل جاوتری پسا ہوا، پپیتا پیسٹ، ہلدی پسی ہوئی اور نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور اس دہی کے آمیزے کو گوشت پر لگا کر ایک یا دو گھنٹے میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک دیگچی میں تیل ڈال کر اس میں پیاز سنہری کر کے نکال لیں اور چورا کر لیں۔ اس کے بعد اسی تیل میں ثابت گرم مسالا اور تیز پات ڈال کر کڑکڑائیں اور میرینیٹ کیا ہوا گوشت شامل کر کے درمیانی آنچ پر

فرحت......ملتان

س: کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کسی سے کہتا نہیں لیکن ان کو سہنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ آج ایسا ہی دکھ لکھ رہی ہوں۔ میں نے بی اے کیا ہے، آگے پڑھنے کی گھر سے اجازت نہیں ملی۔ ہم تین بہنیں، تین بھائی ہیں۔ تینوں بھائی مجھ سے بڑے ہیں اور بہنیں مجھ سے چھوٹی ہیں۔ دونوں چھوٹی بہنیں بہت خوب صورت ہیں جبکہ میں معمولی شکل وصورت کی مالک ہوں۔ دونوں بہنوں کے میٹرک کرتے ہی رشتے آنا شروع ہو گئے تھے۔ والدین کی خواہش تھی کہ پہلے میری شادی ہو۔ وہ ہر رشتے سے انکار کرتے رہے لیکن جب چھوٹی بہنوں نے بھی بی اے کر لیا تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ دوسرے مجھے خود بھی یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے اصرار کیا کہ پہلے چھوٹی بہنوں کی شادی کر لیں۔ میری وجہ سے ان کی شادی نہ رکیں۔

یکے بعد دیگرے دونوں چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو گئیں، میں نے چاہا کہ اگر یونیورسٹی جانے کی اجازت نہیں مل رہی تو کہیں جاب کر لوں لیکن یہاں بھائی رکاوٹ بن گئے۔ بہن نوکری کرے ان کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی تھی۔ دو بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور بھابیوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر مجھے برداشت نہیں کریں گی۔ ایسے میں غیر متوقع طور پر میرے لیے بہت اچھا رشتہ آ گیا۔ لڑکا اعلا تعلیم یافتہ تھا۔ خوش شکل تھا۔ اپنا بزنس تھا۔ شان دار گھر...... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ بار بار آئینے میں خود کو دیکھتی۔ سچ تو یہ ہے ہم کسی بھی معاملے میں ان لوگوں کے ہم پلہ نہ تھے۔ ان کے بڑے بھائی معذور تھے، ان کی بیوی اور تین بچے تھے۔ ماں تھیں۔ باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔

شادی انجام پائی۔ ایک بات ضرور سب نے نوٹ کی کہ ان کی بھاوج ہر کام میں آگے آگے تھیں۔ ماں بالکل الگ تھلگ تھیں۔ مجھے دیکھنے بھی بھاوج ہی آئی تھیں۔ انہوں نے پسند کر کے بات آگے بڑھائی تھی۔

شادی کی پہلی رات ساجد کمرے میں بہت دیر سے آئے۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک چکی تھی۔ انہوں نے بڑی رکھائی سے کہا۔ ”آپ تھک گئی ہوں گی۔ کپڑے تبدیل کر کے سو جائیں۔“ ایک ڈبیہ میری گود میں ڈالی، ڈائمنڈ کی انگوٹھی تھی۔ مجھے برا تو بہت لگا لیکن کیا کہتی۔ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو وہ سو چکے تھے۔

آنے والے دنوں میں ان کا رویہ تو بدستور رہا لیکن کچھ باتیں ایسی سامنے آئیں جس نے مجھے چونکا دیا۔ ساجد اپنی بھابی سے بہت قریب تھے۔ آفس سے آتے تو اپنی ماں کے پاس جانے سے پہلے بھابی کے درشن کرتے، جو پھل مٹھائی وغیرہ لاتے بھابی کو تھماتے۔ ایک رات کو میری آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں نہیں تھے۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ پانی لینے کے لیے باہر نکلی تو دیکھا کہ بھابی کچن میں کھڑی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں اور ساجد ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کہہ رہے تھے۔ ”قسم لے لو میں تو اسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، وہ دیکھنے کے قابل بھی کہاں ہے۔ تمہاری تو جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔“ میرا سر گھوم گیا، جی چاہا ان کا گریبان پکڑ کر پوچھوں کہ یہ کیا تماشا ہے لیکن میری ہمت نہ پڑی۔ واپس آ گئی۔

اب تو کسی خوش فہمی کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔ ان کی ماں کے خاموش رہنے کا راز بھی سمجھ میں آ گیا تھا یہ کھیل ان کے علم میں تھا لیکن اپنا گھٹنا کھولنے والی بات تھی۔ اس لیے خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔

شادی کو ایک سال ہو گیا ہے۔ ابھی تک اولاد کا کوئی بھی سلسلہ نہیں ہے۔ ہر گھڑی دل جلتا ہے۔ بھابی